ڈاکٹر فرحت جبین ورک*

اردو نثری ادب پر مغربی اثرات کی نوعیت اور جدید عصری تقاضے

Abstract: *After the British occupation the new system and society began to form after 1857, and Urdu literature started to harmonize with the right horizontal development and modernity towards the end of the nineteenth century. Urdu Literature begun to benefit from English literature directly or indirectly. During this period the door of modernity commenced to open in this region and reflections of Western influences embarked in the thinking and themes. Its positive effect was that the Indian writers focused more on the issues than on the narrative styles. This is the reason due to which today's writer and critic, neither tends to create literature nor criticizes for the sake of criticism without analysis and scrutiny, wherein new trend and outlook is lacking.*

۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی محض سیاسی جنگ نہ تھی بلکہ دو تہذیبوں کے مابین حتمی آویزش تھی جس کے نتیجے میں ہندوستانی قوم مفتوح قرار پائی۔ اِس کشمکش سے پہلے بھی ہندوستانی عوام تجارت کے رنگ میں انگریزی تہذیب وصول کرتی چلی آرہی تھی۔ مگر اِس حتمی کشمکش نے ہندوستان کو براہِ راست انگلستان کی پارلیمان سے کیا جوڑا، گویا مغربی تہذیب نے ہندوستانی گھروں اور دلوں کا رُخ کر لیا۔ یہ وہ تہذیب تھی کہ جس کو ہندوستانی عوام نے مجبوری، نیم یقین و بے یقینی کی کیفیتوں میں اپنایا اور پھر جس کے نتائج دوررس ثابت ہوئے۔ انگریزی تعلیم و تہذیب نے برصغیر پاک و ہند کے اِس خطے پر ایسے انمنٹ نقوش مرتب کئے کہ زندگی اور ادب کی ہر جہت پر نوآبادیاتی نظام کی قدیم و جدید چھاپ دکھائی دیتی ہے۔ اگر ہم غالب تہذیبوں کے مغلوب تہذیبوں پر اثرات کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ:

> غالب تہذیب کی بنیادی خصوصیات میں علمی، فکری اور فنی برتری کے ساتھ ساتھ عسکری قوت، جنگی آلات کی جدت، شہری سہولیات کی فراہمی کا اعلیٰ انتظام، وسیع تر آزادی اور عالمی سطح پر اپنے اقتدار کے سیاسی و معاشی پھیلاؤ کی حکمتِ عملی شامل ہیں۔۔۔ غالب تہذیب کی حکمتِ عملیو ں کا ماتحت تہذیبوں کی اقدار پر گہرا اثر پڑتا ہے۔ نو آبادیاتی عہد میں غالب تہذیبوں کی تیسری دُنیا کی تہذیبوں پر یلغار نے تیسری دُنیا کے اِن ممالک میں تہذیبی سطح پر اقدار کا ایک نیا نظام تشکیل دیا۔ علاقائی سطح پر مقتدر طبقات میں غالب تہذیب کی نقالی، اقربا پروری اور موقع پرستی کو فروغ دیا جبکہ عوامی سطح پر تعصب، تنگ نظری، احترامِ آدمیت کے فقدان، بے زاری اور راضی بہ رضا کے فلسفے کو مہمیز دے کر تہذیبی اقدار کے ایک نئے رُخ پر ڈال دیا۔ جراءت، تدبر اور تدبیر کی جگہ مصلحت پسندی نے لے لی۔(۱)

* صدر شعبہ اُردو، فاطمہ جناح ویمن یونیورسٹی، راولپنڈی۔

جہاں تک مغربی اثرات کی نوعیت کا تعلق ہے تو یہ اپنے جلو میں ہمہ گیریت کو سمیٹے ہندوستانی سیاست، معیشت، معاشرت، سماجیات، اخلاقیات، عقائد و نظریات اور ادب کے اظہاریوں پر اثرانداز ہوئی۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ برطانوی راج کے وجود سے پہلے بھی مغربی قوتیں یکے بعد دیگرے برصغیر کے اس خطے میں تجارت کے بہانے وارد ہوتی رہیں۔ تو کیا اُن مغربی تہذیبوں کے بھی کچھ اثرات اس خطے پر مرتب ہوئے؟ اِس ضمن میں پروفیسر ڈاکٹر ساجد امجد کہتے ہیں کہ:

> پرتگیزی، ولندیزی اور فرانسیسی بھی انگریزوں کی طرح تجارت کی غرض سے برصغیر سے وابستہ رہے لیکن ان کا تہذیبی اثر نہ ہونے کے برابر ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوا کہ تجارتی اشیاء کے ہمراہ آنے والے کچھ الفاظ لسانیات کو متاثر کر گئے لیکن انگریزوں کی تہذیب نے دیرپا اثرات چھوڑے لہٰذا مغربی تہذیب سے ہماری مراد وہ تہذیب ہے جو انگریز اپنے ساتھ لائے۔(۲)

یعنی حقائق کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ دو تہذیبوں (ہندوستانی و انگریزی) کے اتصال کی صورت میں مغلوب قوم (ہندوستانی) کا تصورِ حقیقت مجروح ہوا۔ یہ وہ خطہ تھا کہ جہاں مغلوب قوم کی ضمنی قومیت میں دو بڑی قومیں ہندو اور مسلمان شامل تھے۔ لہٰذا مغربی تہذیب کے اثرات کی قبولیت و فیض کی حدود و قیود پر نگاہ دوڑائی جائے تو ایک مغلوب حصے کی جڑوں میں احتیاط و بقا کا واضح تصور ملتا ہے تو دوسری احتیاط کے تصور سے عاری انگریزی تعلیم و ادب کے پھوٹتے شاخسانوں سے فیضیابی کو تیار نظر آتی ہے۔ یہ وہ عالمِ مدہوشی و جنوں تھا کہ جب راجہ رام موہن رائے نے ہندو دھرم کی قدیم روایات کو نہ صرف خیر آباد کیا بلکہ ۱۸۵۷ء سے قبل ہی ہندو قوم میں انگریزی تعلیم و ادب سے استفادے کو رواج دیا۔ جبکہ دوسری طرف انگریزی تعلیم و ادب سے فیض کا سلسلہ ۱۸۵۷ء کے بعد کی تگ و دو ہے کہ جس میں "سرسید نے بھی "عقل" کو کسوٹی بنایا، ذات باری کے اثبات سے لے کر حشر و نشر تک وہ سارے مسائل کو اسی میزان پر تولتے ہیں"(۳)۔ سوچ کا اظہار اُس وقت آزادی کھو دیتا ہے کہ جب وہ تعلیمی و ادبی، سیاسی و معاشی طور پر غلبیت کا شکار ہو۔ ۱۸۵۷ء کے بعد کا ہندوستانی ادبی منظرنامے پر ایسے اثرات کا غلبہ صاف دیکھا جا سکتا ہے۔ کیا شعر اور کیا نثر سبھی پر مغربی اثرات غالب رہے جو عہدِ حاضر میں مزید تقویت پا گئے ہیں۔ جنگِ آزادی سے پہلے کا اردو نثری سرمایہ گو کہ فورٹ ولیم کالج کی بنا پر سادہ اسلوب نگاری کی مثالیں تو پیش کرتا ہے مگر مغربی ادب کے اثرات کی مثال نہیں بن سکتا کیونکہ: "فورٹ ولیم کالج نے بھی اُردو نثر کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا لیکن پھر بھی جنگِ آزادی سے پہلے یہ سرمایہ نصابی و مذہبی موضوعات تک محدود رہا۔ "(۴) یہی وجہ ہے کہ زندگی میں نئے موضوعات کے متلاشیوں نے مغربی ادب سے استفادہ کرنے کو ترجیح دی۔ مغربی ادبیات سے مستفیض ہونے سے قبل کا اُردو نثری سرمایہ طلسماتی و مذہبی داستانوں کا احوال ہونے کی بنا پر مقصدیت کے حصول سے زیادہ وقت گزاری کا بیانیہ بنتا ہے۔ جسے ہم ایک خاص دائرہ امکان میں رکھ کر تنقیدی نگاہ سے پرکھ تو سکتے ہیں مگر مثالی راہِ تقلید قرار دینا قرینِ انصاف نہ ہو گا۔ برطانوی تسلط کے عملی شکل اختیار کرتے ہی نئے نظام اور نئے سماج کی داغ بیل پڑنی شروع ہوئی۔ یہ وہ دور تھا کہ جب مغربی معاشرہ اپنی ادبی و تہذیبی قدروں سمیت مشرق کی فارسی آمیز روایات کے زیر اثر تھا لہٰذا فورٹ ولیم کالج نے فارسی آمیز روایت کو سمجھنے کے لیے اُردو زبان کو ایک پُل کی صورت اختیار کیا۔

فورٹ ولیم کالج کے اصل کردار پر ڈاکٹر صلاح الدین درویش یوں روشنی ڈالتے ہیں کہ:

> انیسویں صدی کے وسط تک یورپ بھر میں حقیقت پسندی کی تحریک علمی، فکری، ادبی، تہذیبی اور تمدنی نتائج اور اپنے اثرات کے حوالے سے تقریباً ساڑھے پانچ سو سال کا عرصہ مکمل کر چکی تھی۔ اس کے مقابلے میں برصغیر پاک و ہند کے لوگ ہنوز شاہانہ و جاگیر دارانہ طرزِ تمدن کی فرسودہ اقدار و روایات اور اخلاقیات کے ترجمان داستانوی عہد میں سانس لے رہے تھے۔ فورٹ ولیم کالج جن مشرقی اور ہندوستانی متون کو سامنے لایا اس میں مادی حقیقت پسندی کی ایک رمق بھی موجود نہ تھی۔(۵)

جدید علوم کے حصول کے لیے مشرقی روایت نے نو آبادیاتی نظام کے ہتھکنڈوں سے نبرد آزما ہونے کے لیے انگریزی تعلیم اور بعد ازاں سر سید احمد خان کے دورہء یورپ نے انگریزی ادب سے مختلف صورتوں میں استفادے کو "تہذیب الاخلاق" کی صورت رواج دیا۔ بقول پروفیسر ڈاکٹر ساجد امجد:

> سر سید احمد خان جدید اُردو نثر کے مورثِ اعلیٰ سمجھے جاتے ہیں لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ مغربی افکار اور مغربی حالات کے تحت ہونے والی معاشرتی تبدیلیوں سے متاثر ہوئے۔ انہوں نے قومی زندگی کو ان تبدیلیوں سے ہم آہنگ بنانے کے لیے مضامین لکھے، جس میں اردو کو ذریعہء اظہار بنایا۔ ان تبدیلیوں کا سلسلہ لامتناہی تھا اس لیے اردو نثر میں بے پناہ موضوعات کا اضافہ ہوا جو اسے اب تک نصیب نہیں ہوئے تھے۔ یہ موضوعات نئی زندگی سے وابستہ تھے۔ اس لیے سر سید نے شعوری طور پر فارسی سے اپنا دامن بچایا اور انگریزی طرزِ اسلوب سے کسبِ فیض کیا۔ ان کا رسالہ تہذیب الاخلاق، جدید اُردو نثر کے فروغ میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے اور یہ سب جانتے ہیں کہ انہوں نے یہ رسالہ انگلستان کے مشہور جرائد اسپیکٹیٹر اور ٹیٹلر سے متاثر ہو کر جاری کیا(۶)۔

سر سید نے اسی ذریعہ سے اردو کے ادیب پر جدید موضوعات کے در وا کیے اور اردو نثری افکار و اسالیب میں مغربی اثرات کی جھلک نظر آنے لگی۔ سر سید کی راہ پر گامزن ہوتے ہوئے آزاد نے بھی شعر و نثر میں جدید زندگی کے تقاضوں سے ہم آہنگ موضوعات کو موزوں انداز میں پیش کیا۔ "نیرنگ خیال" کے مضامین انگریزی کے بعض تمثیلی مضامین کی طرز پر ہیں۔ بقول محمد حسین آزاد: "میں نے انگریزی انشاپردازوں کے خیالات سے اکثر چراغ روشن کیا ہے"(۷)۔

افکار و موضوعات نیز اسالیب کی طرف نگاہ دوڑائی جائے تو مغربی ادب کے اثرات کی واضح جھلک ہے مگر یہ اردو نثر نگاروں کا طرہء امتیاز ہے کہ اُنہوں نے نئے خیال کو اپنی تہذیب سے ہم آہنگ کر کے متعارف کروایا۔ کیونکہ مغربی موضوعاتِ اخلاقیات کسی بھی

ضمنی موضوع سے متعلق ہوں جب تک دوسری تہذیب کے خیالات سے ہم آہنگ نہ ہو گا، وہ مردہ خیال سے زیادہ اہمیت نہ رکھے گا۔ مولانا محمد حسین آزاد کی تحریروں کی اسی خاصیت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے بقول ڈاکٹر وزیر آغا :"ان کی تحریر میں جو حرکی عناصر ہیں اوران کے ہاں تخیل کی جولانیوں کو لفظ کی گرفت میں لینے کا جو میلان ہے اور پھر خیال کو تمثیل کے ذریعے پیش کرنے کی جو روش ہے وہ دبستان لاہور کا سنگ بنیاد ثابت ہوتی ہے۔"(۸)

رفتہ رفتہ مغربی ادب کے موضوعات سے استفادہ کی ہوا زور پکڑنے لگی۔ سائنسی و سماجی علوم کی ترویج نے ہندوستانی اقوام کے اذہان کو پوری طرح سے متاثر کرنا شروع کیا۔ انگریزی تعلیم و تہذیب پوری طرح سے غلبہ پاگئی تو علم وآگہی کی روشنی میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ مغربی علوم و فنون سے عام آدمی کی بھی دلچسپی بڑھنے کے سبب ملک میں چھاپے خانے، اخبارات ورسائل کا چلن عام ہوگیا۔ تبادلہء خیال کے اِن وسائل نے نثری اصنافِ ادب میں بھی زبردست انقلاب برپا کیا۔ یوں اردو زبان وادب نے اپنے دامن میں نئے طرز وفکر، نئے تصورات وجدید خیالات کو جگہ دی۔ فکر وخیال کی اِسی روشن خیالی وجدت پسندی کی روش نے نثری اصنافِ ادب میں تبدیلی کے مطالبے کو غیر محسوس انداز میں دخیل کرلیا۔ داستان کی جگہ ناول تو آیا ہی تھا مگر اب ناول صرف تاریخ کا بیانیہ ہی نہ تھا بلکہ انگریزی ادب سے اصلاح ومقصد کی رو کو قبول کرنے کی بنا پر اُردو ناول کا دامن وسعت پا گیا۔ ہمیں اپنے ناولوں کے موضوعات واسالیب پر مارکسی خیالات و نظریات، فرائڈ کی نفسیات، نیچرل ازم اور بے شمار مغربی اظہاریوں کے اثرات ملنے لگے۔ یوں اردو نثری ادب کی وسیع تر دامنی کا عالم یہ ہوا کہ ناول کے دورِ شباب میں ہی افسانے کا ظہور ہوا۔ ہمیں یہ مان لینے میں ذرہ بھر بھی تامل نہیں ہونا چاہئے کہ ہماری سرزمین سے جُڑی کہانیاں تخیلی فضا بندی، مافوق الفطرت عناصر اور خواب وخیال کی دُنیا کو بھی جدید افسانے کی دُنیا میں بسائے ہوئے ہیں مگر اِسی فضا میں لکھاری نے زندگی کے گوناگوں مسائل و دلچسپیوں کا اظہاریہ بھی تلاشا ہے۔ یوں ہندوستانی مِتھیالوجی اور انگریزی رئیلزم نے حقائق کو ایک نئے ڈھنگ سے یوں بیان کیا کہ مغربی اثرات کی غالبیت بھی رہی مگر پاک وہند کی سرزمین کے باسیوں کی پہچان بھی نہیں بھولنے پائی۔ یہی وجہ ہے کہ پریم چند جب رئیلزم اور مارکسسزم کے تحت " سوزِ وطن "کا خالق بنتا ہے یا سجاد حیدر یلدرم رومانیت کا پیروکار، کوئی بھی جدید موضوعات کے گھیراؤ میں آکر اپنی زمین کی کہانی کہنا نہیں بھولا جن مغربی افکار وفلسفہ ہائے زندگی کی برصغیر پاک وہند کی تہذیب سے جڑت بنی وہ مغربی تحاریک برصغیر پاک وہند میں اپنا علم بلند کرانے میں کامیاب ہوپائیں۔ کسی بھی موضوع، رجحان یا تحریک کو عالمگیریت کے حصول کے لیے دیگر خطوں کے ساتھ ہم آہنگی وربط کا حامل ہونا ضروری ہے۔ وہ ایک الگ بحث ہے کہ ہر خطہ اُس سے اپنے اپنے سماجی، سیاسی، معاشی حالات وبحثوں کے مطابق رجوع کیسے، کب اور کیوں کرے۔

تاریخ گواہ ہے کہ وقت وحالات کی ناہمواری بہت سے مطابق وغیر مطابق ادبی وغیر ادبی رجحانات کے لیے راہ ہموار کرنے کا باعث بنی ہے۔ بقول ڈاکٹر صلاح الدین درویش:"ادب چونکہ انسان کی ترجیحات، خوابوں، امنگوں اور آدرشوں کا ترجمان ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ انسانوں کے درمیان ربط قائم کرنے اور اس ربط کو توسیع دینے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔"(۹) اپنی مادی زندگی سے متعلقہ سماج کا ہر

ہر زاویہ حقیقت پسندی پر منتج ہوتا ہے۔ لہٰذا جدید مغربی فلسفہ و فکر نئی معنوعیت کے ساتھ اصطلاحات و توضیحات کا ایک بیش قیمت ادبی ذخیرہ لے کر برصغیر پاک و ہند کی ادبی سرگرمیوں میں دخیل ہوئی۔ جدید مغربی علوم کے اس خزانے کو اُس دور کی ضرورت کے مطابق نثری ادب کے مخصوص سانچوں میں ڈھال لیا گیا۔ قیامِ پاکستان تک اردو نثری ادب ملک گیر سیاسی، مذہبی، اقتصادی و سماجی مسائل و حالات کا ایسا گواہ بنا کہ وہ گواہی اُردو نثری ادب میں اپنے فکر و فلسفے، رجحانات کو لیے زمانہ ءحال میں بھی تر و تازہ ہے۔

مغربی اثرات سے ہی فیضیابی کے بعد اُردو ڈرامے کے موضوعات میں بھی جدت آئی اور آج تک کا ڈرامہ موضوعاتی فکری و فنی لحاظ سے تمام کائناتی مسائل سے بحث کرتا ہے۔ مغربی اثرات کی نوعیت کو پرکھا جائے تو ہمارے قومی چینلز پر چلنے والے تمام ڈرامے خواہ کسی بھی خطہ ءارضی سے متعلق ہوں، بہ اعتبار حقیقت نگاری کسی خلیج کے بغیر برصغیر کے اس خطے میں قبولِ عام پاتے ہیں اور یہی عالمِ پذیرائی ہمارے ہاں قبولیتِ عام کی اعلیٰ سطحوں کو چھونے والی کہانیوں اور خاص طور پر ڈراموں کا ہے۔ یعنی ہم کہہ سکتے ہیں کہ جدید ناول، افسانہ کی طرح ڈرامہ بھی مغربی ادب کی دین ہے۔

بقول نظیر صدیقی:

دُنیا کی شاید ہی کوئی ترقی یافتہ زبان ایسی ہوگی جس میں شکسپیئر کے ڈراموں یا نظموں کے ترجمے نہ ہوئے ہوں۔ اس کے ڈرامے انسانی زندگی اور انسانی فطرت کے سربستہ رازوں کے خزانے ہیں جبھی تو علامہ اقبال نے شکسپیئر کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے کہا تھا کہ:

حفظِ اسرار کا فطرت کو ہے سودا ایسا
رازداں پھر نہ کرے گی کبھی پیدا ایسا (۱۰)

اُردو نثری ادب پر مغربی ادب کے اثرات کی ماہیت و نوعیت کی جہاں تک بات ہے تو ہم بخوبی جانتے ہیں کہ :" مغرب میں ادب کی یہ صنف ناول کے ارتقا کے بعد وجود میں آئی ہے۔ اُردو ادب میں بھی ناول پہلے پیدا ہوا اور افسانہ بعد میں "(۱۱)۔ اسی طرح مغرب ہی کے اثر سے اُردو ڈرامے نے موضوعات میں اضافہ کرنا سیکھا۔ مغرب کی سرزمین سے پھوٹنے والے مختلف ادبی رجحانات و تحاریک ایسی شدید موسمی لہریں ثابت ہوتی آئی ہیں کہ جو مشرق کی سرزمین میں نئی سوچ کی صورت طلوع ہو کر اردو نثری ادب پر دیرپا نقوش مرتسم کرنے میں مصروف بہ عمل ہے۔ مغرب سے جنم لینے والے مختلف سیاسی و سماجی رجحانات و تحاریک نے اردو نثری و منظوم ہر دو طرزِ ادب پر توانا و ہمہ گیر اثرات مرتب کیے ہیں۔ چاہے وہ مغرب سے اُٹھنے والی وجودیت کی تحریک ہو یا نفسیات کی، سرئیلی، تجریدیت، علامت نگاری، تاثریت اور مارکسزم، مشرق سے میلان کرتے ہوئے، ترقی پسند تحریک اور جدیدیت کے مختلف رنگ و آہنگ میں ڈھل کر نئی بصیرت و آگہی اور نئے ادبی شعور سے ہمکنار کرتی ہے۔ اسی شعور و بصیرت کی ہم آہنگی کی بنا پر برصغیر پاک و ہند میں مغرب کے طرزِ ادب پر سوانح عمریاں رواج پا گئیں۔ حالی نے سوانح عمری کے ضمن میں جس قدر اصول وضع کئے تو وہ تمام مغرب سے اخذ شدہ ہیں۔ اخبارات کا وجود نیز طرز صحافت بھی مغربی اثرات کا نتیجہ ہے۔ علاوہ ازیں تنقید کے مروجہ اصول بھی براہ راست مغرب سے اخذ شدہ قرار دیئے جاتے ہیں۔ بقول پروفیسر ڈاکٹر ساجد امجد:" جدید اردو تنقید کی ابتدا ہی مغربی اثرات سے ہوئی۔۔۔۔ جنگ آزادی کے بعد ادب کی تبدیلی۔۔ یعنی تنقید

پر بھی اثر ڈالا۔ ادب لکھنے والوں نے نیا رنگ اختیار کیا۔ حالی کا مقدمہ شعر و شاعری، آزاد کا کلچر اور شبلی کے تنقیدی خیالات اسی بدلی ہوئی فضا کی ترجمانی کرتے ہیں۔"(۱۲)

بنیادی طور پر دیکھا جائے تو یہ وہ اصحابِ علم و دانش تھے کہ جو براہِ راست انگریزی زبان سے واقف نہ تھے۔ مگر ان کی مغربی علوم سے کسبِ فیض کی روش نے مغربی نقد و ادب، جدید نظریات کو سرعت کے ساتھ ہمارے اُردو زبان و ادب میں یوں سمو دیا کہ آج کا ادیب و نقاد مغربی ادب سے فیض یاب ہوئے بغیر اُردو ادبی فلسفہ و فکر کو بے معانی و ادھورا قرار دیتا ہے۔ دورِ حاضر میں تنقید کے بیشمار پیرامیٹرز بشمول تاثراتی تنقید، سائنٹفک تنقید، تاریخی و عمرانی تنقید تقابلی تنقید، نفسیاتی تنقید، عینیت پسندی ور وحانیت پسند اور جدید رجحانات و دبستان اپنی مقصدیت وافادیت سمیت اُردو نثری ادب کی رگوں میں خون کے مصداق سرایت کر گئے ہیں۔ وحید الدین سلیم سے لے کر کلیم الدین احمد اور ڈاکٹر ناصر عباس نیر بشمول معاصرین، تنقید کے لئے مغربی معیار و اصول کو ہی منصف و رہنما قرار دیتے ہوئے مغربی تنقید سے اُردو نثری سرمائے میں تنقید کی نئی معنویت کا جدید سانچہ تراشتے ہیں۔

تاریخ گواہ ہے کہ کسی بھی زبان و ادب کے مال دار ہونے عالمی ادب کا خاص کردار رہا ہے۔ غالب طاقتیں بالعموم مغلوب طاقتوں پر منفی اثرات ڈالنے کے ساتھ ساتھ مثبت اظہاریوں کو جنم دینے کا باعث بنتی ہیں۔ گویا تخریب کے پس پردہ تعمیر بھی کار فرما ہوتی ہے اور جو بالعموم کسی نئی معنوی تعبیر و تشریح پر منتج ہوتی ہے۔

لہذا ہم بڑے وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ انیسویں صدی کے قریباً آخر میں اردو زبان و ادب کی صحیح معنوں میں آبیاری ہوئی۔ انگریزی ادب سے اُردو نثر نے پہلے بالواسطہ اور اب براہِ راست اثر قبول کیا ہے کیونکہ یہ آج کے گلوبل و لیج کا تقاضا ہے مگر جدید ادیب و نقاد کی نثری لکھت میں اپنی تہذیب و رواج سے جڑت بھی ضروری ہے۔ مگر اسلوبِ بیان اور موضوعاتی سطح پر وہ مغربی اثرات کی اُس نوعیت کے زیرِ اثر ہے کہ جس کا شمار عالمی بحثوں اور موافقت کی سطح پر کیا جاتا ہے۔ یہ وہ دور ہے کہ جہاں دُنیا کے بہت سارے سماج بغیر کسی سماجی تخصیص کے اپنے بیانیے کے اظہار کے لیے کسی بھی سماج سے نئی معنویت کے متلاشی رہتے ہیں۔ جدید انسان حقیقت کا متلاشی ہے اور اِس زبان و تہذیب کے پہناوے میں عام قاری تک پہنچانے کے لیے مختلف سماجوں کے سائنسی، سیاسی و سماجی علوم سے مستفیض ہو رہا ہے تو کچھ مضائقہ نہیں کیونکہ بقول سید احتشام حسین:"تجارت کی طرح مختلف قوموں اور ملکوں کے درمیان تہذیبی لین دین کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ دُنیا کی کوئی تہذیب اس بات کا دعویٰ نہیں کر سکتی کہ وہ خالص ہے اور اسے کسی دوسری تہذیب میں ایسے عناصر نظر نہیں آئے جن کی طرف اُس نے شوق اور رشک آمیز تجسس کے ساتھ نہ دیکھا ہو۔ "(۱۳)۔

لامحالہ طور پر جدید عصری تقاضوں کے پیشِ نظر اُردو نثر میں تبدیلی ایک ادیب کا فرض عین تھا۔ بدلتے دور کے ساتھ ساتھ نئی اصناف ظہور میں ضرور آئیں مگر پرانی روایت کو بھی برقرار رکھا گیا۔ جو کہ آج جدید و قدیم کا سنگم ہیں۔ افسانہ، انشائیہ، تنقید، نیز نثری ادب کی ہر ہر جہت نے جس طور مغربی ادبا، مفکرین و ناقدین سے اثرات کو جس طور فراخ دلی سے قبول کیا ہے۔ وہ آج کے ادب و تنقیدی

پیرائیوں کا مخصوص چلن کہا جا سکتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ آج کا اُصلب و نقاد بغیر تجز یئے اور چھان پھٹک کے نہ تو ادب تخلیق کرتا ہے اور نہ ہی بلاضرورت کسی نئے رجحان و رویے کا لقمہ توڑ کر تنقید در تنقید کرتے ہوئے نقاد کہلانے کا سہرا اپنے سر لیتا ہے۔

حوالہ جات:

۱۔ صلاح الدین درویش، ڈاکٹر، تنقید اور بیانیہ، فکشن ہاؤس، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص۔۱۲۱

۲۔ ساجد امجد، پروفیسر ڈاکٹر، اُردو شاعری پر برصغیر کے تہذیبی اثرات، الوقار پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۳ء، ص۔۷۸

۳۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، پاکستانی کلچر، مشتاق بک ڈپو، کراچی، ۱۹۶۴ء، ص۔۱۲۹

۴۔ ساجد امجد، پروفیسر، اُردو شاعری پر برصغیر کے تہذیبی اثرات، ص۔ ۳۱۵

۵۔ صلاح الدین درویش، ڈاکٹر، تنقید اور بیانیہ، ص۔۱۳۹

۶۔ ساجد امجد، پروفیسر، اردو شاعری پر برصغیر کے تہذیبی اثرات، ص۔۳۱۷

۷۔ محمد حسین آزاد، مولانا، دیباچہ، نیرنگ خیال، مشہور پریس، کراچی، ۱۹۶۲ء، ص۔۶

۸۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، تنقید اور مجلسی تنقید، نئی دہلی، موڈرن پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۸۲ء، ص۔۱۰۹

۹۔ صلاح الدین درویش، ڈاکٹر، تنقید اور بیانیہ، ص۔۱۳۱

۱۰۔ نظیر صدیقی، اردو میں عالمی ادب کے تراجم، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد، ۱۹۹۹ء ص۔۵۶

۱۱۔ ایضاً، ص۔۲۷

۱۲۔ ساجد امجد، پروفیسر، اُردو شاعری پر برصغیر کے تہذیبی اثرات، ص۔ ۳۲۲

۱۳۔ احتشام حسین، سید، اُردو میں دوسری زبانوں کا افسانوی ادب مشمولہ ترجمہ کا فن اور روایت، مرتب: قمر رئیس، سٹی بک پوائنٹ، کراچی، ۲۰۱۶ء۔ ص۔۱۳۱

☆☆☆☆☆